۱۷

# یاجوج ماجوج کی حقیقت اور اسلامی تعلیم کا نفاذ

(فرمودہ ۱۰؍جون ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مسیح موعودؑ کے زمانہ کے متعلق قرآن کریم میں یہ خبر دی گئی ہے اور احادیث میں بھی متواتر اور کثرت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اُس وقت دو طاقتیں جو آپس میں ایک دوسرے کی مخالف ہوں گی ظاہر ہوں گی۔ ان میں سے ایک طاقت کا نام یاجوج رکھا گیا ہے اور دوسری طاقت کا نام ماجوج رکھا گیا ہے اور چونکہ بظاہر دو مخالف طاقتیں تیسری طاقت سے سمجھوتے کی کوشش کیا کرتی ہیں یعنی اگر تین طاقتیں دنیا میں ہوں تو دو مخالف طاقتیں ہمیشہ اُس سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ہر ایک ان میں سے چاہتی ہے کہ اس کی ہمدردی ہمیں حاصل ہو اور اس کا تعاون ہمارے ساتھ ہو اور بظاہر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اگر ایک علیحدہ گروہ ہیں تو مخالف طاقتوں میں سے کسی کی ہمدردی یا تعاون ہمیں حاصل ہو ہی جائے گا اس لئے ہوسکتا تھا کہ مسیح موعودؑ کی جماعت بھی اِس وہم میں مبتلا ہو جاتی کہ شاید ان میں سے کسی ایک گروہ کا ہم سے تعاون ہو جائے گا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس وہم کو دور کرنے اور اِس خیال کی تکذیب کرنے کیلئے پھر ان دونوں کا ایک مجموعی نام رکھ دیا اور وہ نام دجّال ہے اور اس طرح بتا دیا کہ گو یاجوج اور ماجوج دونوں آپس میں مخالف ہوں گے لیکن اسلامی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں ہی اس کے مخالف ہوں گے اور اسلامی تعلیم کی تائید کی اِن دونوں سے ہی امید

نہ کی جاسکے گی سوائے اس کے کہ وہ بحیثیت جماعت یا انفرادی طور پر اپنے طریق کو چھوڑیں اور اسلام کے اصول کو کُلّیۃً اختیار کرلیں۔

اِس وقت تک گزشتہ زمانہ کو دیکھتے ہوئے عام طور پر ہماری جماعت میں بھی اور پہلی جو جماعتیں اس امر کی تحقیق میں لگی رہی ہیں ان میں بھی یہ خیال پایا جاتا تھا کہ یاجوج اور ماجوج درحقیقت دو مُلکوں کے نام ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے جو پیشگوئیاں ہوتی ہیں ان کی پوری حقیقت وقت پر کھلا کرتی ہے۔ اب جو واقعات ظاہر ہو رہے ہیں انہوں نے بتا دیا ہے کہ یہ دو ملکوں کے نام نہیں بلکہ دو اصول کے نام ہیں۔ بے شک ممکن ہے یہ دو اصول خاص دو مُلکوں کے ذریعہ زیادہ نمایاں طور پر نظر آتے ہوں مگر حقیقتاً یہ کسی ایک مُلک سے تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1] یعنی یہ دونوں گروہ دنیا کے ہر مقام پر مسلط ہونے کی کوشش کریں گے اور ہر ایک روک جو اُن کے راستہ میں آئے گی اُس پر چڑھنے اور اس پر غالب آنے کیلئے جدوجہد اور سعی عمل میں لائیں گے اور یہ بات اب بالکل نمایاں اور واضح طور پر نظر آ گئی ہے۔ چنانچہ واقعات نے ظاہر کر دیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج دو اصول ہیں جو اِس زمانہ میں دنیا پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو وہ ہے جو جمہوریت کو اس کے تمام عیوب سمیت دنیا میں ترقی دینے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسرا اصل وہ ہے جو قابلیت اور لیاقت کو ترقی دینا چاہتا ہے اور جمہوریت کی روح کو دبانا چاہتا ہے۔ یہ دو اصول اِس وقت دنیا میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو اِس بات کی جدوجہد میں مشغول ہے کہ افراد کی طاقت کو بڑھا کر دنیا میں غلبہ حاصل کیا جائے اور ایک اصول اس غرض کیلئے کوشاں ہے کہ اعلیٰ قابلیت کو رہنمائی کی باگ ڈور دے کر دنیا پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ ان دونوں گروہوں نے دنیا پر کامل طور پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے اور ساری دنیا اِن دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ اسلام اِن دونوں کے خلاف اور اِن دونوں سے بالکل الگ ایک درمیانی راہ پیش کرتا ہے۔ وہ انفرادیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اور چیدہ افراد کی طاقتوں سے کام لینے کو بھی ناپسند نہیں کرتا۔ وہ یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ افراد کی حریت کو کُچل دیا جائے اور وہ یہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ چیدہ افراد کی

قابلیت سے دنیا محروم کردی جائے۔

غرض اسلامی تعلیم کا دائرہ اپنی وسعت کے ساتھ اِن دونوں گروہوں پر حاوی ہے اور وہ دونوں کے درمیان ایک راستہ بتاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومت کا دارومدار اِن دونوں اصول کے بین بین تھا۔ ایک طرف وہ تسلیم کرتا ہے کہ سب انسانوں میں ذہنی مساوات نہیں۔ بعض دماغ زیادہ قابلیت رکھتے ہیں اور بعض کم، بعض زیادہ قربانیاں کرسکتے ہیں اور بعض کم، بعض زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اور بعض کم۔ پس قوم کو زیادہ سمجھدار، زیادہ عقلمند اور زیادہ فہم و تدبر رکھنے والوں کی قابلیت سے محروم نہیں کردینا چاہئے مگر وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ افراد کی مجموعی رائے بھی بڑی طاقت ہوتی ہے اور اس کو نظرانداز کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور نہ اسے نظرانداز کرنا انسانی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ہی ہے۔

پس اسلام کا مقابلہ اِن دونوں اصول کے ساتھ ہے۔ وہ ان کے بھی خلاف ہے جو افراد کو اتنا غلبہ دینا چاہتے ہیں کہ چیدہ افراد سے لیاقت اور قابلیت کو دنیا سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اس کے بھی مخالف ہیں کہ چند لائق افراد کے ہاتھ میں دنیا اس طرح دے دی جائے کہ قوم کی اکثریت کی رائے مٹا دی جائے۔ پس جہاں تک دنیا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے آئندہ دنیا میں اسلام کا مقابلہ یاجوج اور ماجوج سے اس رنگ میں ہوگا کہ ایک طرف افراد کی حریت قائم کی جائے گی اور دوسری طرف چیدہ افراد کی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانے کا راستہ کھولا جائے۔ مگر یہ اتنا بڑا کام ہے کہ جو اسلام کی حامل یعنی جماعت احمدیہ کی موجودہ قوتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانی نقطۂ نگاہ سے ناممکن نظر آتا ہے۔ اِن دونوں گروہوں کی پوری شوکت اگر کسی نے دیکھنی ہو تو وہ دنیا کی برتری حاصل کرنے کی کوشش کرنے والی مختلف جماعتوں کو دیکھ لے اور اسے معلوم ہوجائے گا کہ اِس وقت مذکورہ بالا دو اصول کُلّی طور پر دنیا کو تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ آدھی دنیا ایک طرف ہے اور آدھی دوسری طرف۔ اور بیچ میں بے سامان و بیکس جماعت احمدیہ ہے جو اسلامی اصول کی حمایت میں کھڑی ہے۔ پس اگر اسلامی اصول نے دنیا میں ترقی کرنی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ان دونوں طاقتوں کو ایک درمیانی نقطہ پر جمع کیا جائے اور پھر اسلامی تعلیم کے ماتحت ان کو چلایا جائے مگر ایک ایسی جماعت جسے اپنے مرکز میں بھی

امن حاصل نہیں ، جسے چھوٹی چھوٹی اقلیتیں بھی دبانے اور ڈرانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں ، جس کی مثال اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے بتیس دانتوں میں زبان ہوتی ہے ۔ وہ ان زبردست اور عظیم الشان طاقتوں کی اصلاح کرسکتی ہے یا نہیں ۔ یہ ایک سوال ہے جو ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور بظاہر انسانی سامانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر بالکل ناممکن نظر آتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی کام لیا ہے ہمیشہ ایسے ہی وجودوں سے لیا ہے جو بظاہر دنیا میں بے کس نظر آتے تھے ، بظاہر ذلیل اور حقیر نظر آتے تھے ، بظاہر ناکارہ اور لغو دکھائی دیتے تھے مگر الٰہی تصرف سے ترقی کر کے وہ ایسی طاقت پکڑ گئے کہ دنیا ان کے کاموں سے حیران رہ گئی ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جِد وجُہد شروع ہوئی کون کہہ سکتا تھا کہ وہ دنیا پر ایک دن غالب آ کر رہے گی ۔ فرانس کا ایک مشہور مصنف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے ممکن ہے بعض امور محمد ( صلی اللہ علیہ وسلم ) کی عظمت کے متعلق ہمیں شُبہ میں ڈال سکتے ہوں مگر ایک چیز ہے جو محمد ( صلی اللہ علیہ وسلم ) اور آپ کے ساتھیوں میں مجھے نظر آتی ہے اور میں جب بھی اس پر غور کرتا ہوں محوِ حیرت ہو کر رہ جاتا ہوں اور وہ یہ کہ آج سے ساڑھے تیرہ سَو سال پہلے عرب کی سرزمین میں ایک مسجد میں جس کی دیواریں گارے سے بنی ہوئی ہیں ، جس کی چھت پر لکڑیاں نہیں بلکہ کھجور کی شاخیں پڑی ہوئی ہیں اور وہ اتنی کمزور ہے کہ ذرا بارش ہو تو پانی ٹپکنے لگ جاتا ہے ۔ اُس میں چند آدمی جمع ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جن کے تن پر پورا لباس بھی نہیں ۔ اگر بعض کے پاس پاجامے ہیں تو کُرتے نہیں ، اگر کُرتے ہیں تو پاجامے نہیں اور اگر کسی کے پاس کُرتہ اور پاجامہ ہے تو اُس کے سر پر پگڑی نہیں ۔ اور گر کسی کے پاس سر ڈھانکنے کیلئے پھٹی پُرانی پگڑی ہے تو اسے جُوتی میسر نہیں ۔ پھر وہ اَن پڑھ ہیں ، وہ جاہل ہیں ، وہ دنیا کے کسی علم سے واقف نہیں ۔ غرض میں اپنے خیال کی نگاہ میں جب اُن کو دیکھتا ہوں تو وہ مجھے چند غریب اور بے کس انسان نظر آتے ہیں ۔ وہ ایک کچی مسجد میں بیٹھے ہیں ، وہ پورے لباس سے بھی عاری ہیں ، وہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور سجدہ میں جُھکتے ہیں تو بارش کی وجہ سے اُن کی پیشانی کیچڑ میں لت پت ہو جاتی ہے ( یہ تمام

باتیں احادیث میں لکھی ہوئی ہیں ) مگر جب میں قریب ہوکر سنتا ہوں کہ آپس میں وہ کیا باتیں کررہے ہیں تو میرے کانوں میں یہ آواز آتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے یہ مشورہ کررہے ہیں کہ ہم کس طرح تمام دنیا کو فتح کرکے اسلام کو غالب کردیں۔ اور یہ ان کی باتیں جو پاگلوں کی بڑ معلوم ہوتی ہیں تھوڑے ہی عرصہ میں پوری بھی ہوجاتی ہیں۔ اور وہ واقع میں ساری دنیا پر غالب آجاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ جب میں یہ بات دیکھتا ہوں تو مجھے ماننا پڑتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ) جو کچھ کہتے تھے اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے بلکہ کوئی اور زبردست طاقت تھی جو اُن سے یہ باتیں کہلواتی تھی۔

آج جو ہماری حالت ہے یہ بظاہر اُس زمانہ سے اچھی نظر آتی ہے۔ ہماری یہ مسجد پختہ ہے، اس کے ستون سیمنٹ کے ہیں، اس کی چھت پر گارڈر پڑے ہوئے ہیں اور نمازیوں کے آرام کیلئے بڑے بڑے سائبان لگے ہوئے ہیں، غرض اُس زمانہ سے بظاہر ہماری حالت مختلف ہے مگر جو ہمارے دشمنوں کی حالت ہے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی حالت سے مختلف ہے۔ اور اگر نسبت کے لحاظ سے غور کیا جائے تو ہر شخص کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ جو حالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے صحابہؓ کی دشمنوں کے مقابلہ میں تھی وہی ہماری جماعت کی موجودہ زمانہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہے کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نسبت دیکھی جاتی ہے، تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ اگر ایک روپیہ سے ایک شخص ایک سَو روپیہ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ایک سَو روپیہ سے دس ہزار کا مقابلہ کرتا ہے تو اِن دونوں کا معاملہ بالکل یکساں سمجھا جائے گا کیونکہ جو نسبت ہے وہ قائم ہے۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ فلاں کے پاس ایک روپیہ تھا اور فلاں کے پاس ایک سَو۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اِس نے ایک سے سَو کا مقابلہ کیا اور اُس نے سَو سے دس ہزار کا۔ کیونکہ جو ایک اور سَو میں نسبت ہے وہی نسبت سَو اور دس ہزار میں ہے اور جب نسبت ایک ہے تو دونوں کی ایک ہی حالت ہوئی۔ پس اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بظاہر ہماری حالت اچھی نظر آتی ہے مگر اِس کے مقابلہ میں یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ احمدیت نے جن طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہے اُن کی نسبت ہماری طاقت کے مقابلہ میں کیا ہے۔ بے شک ہماری مسجد کی چھت پختہ ہے، اس کا فرش بھی پختہ ہے اور اس میں لوگوں کے آرام کیلئے

سائبان موجود ہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے دشمنوں کے پاس بھی تو توپیں اور ہوائی جہاز نہیں تھے۔ پھر ان میں کوئی نظام نہیں تھا، اُس وقت سفر کی سہولتیں میسر نہیں تھی، تار، ٹیلیفون اور وائرلیس نہیں تھا۔ پھر اُن میں وہ فوجی نظام نہیں تھا جو آج ہے۔ اُن کا مالی نظام مضبوط نہیں تھا اور اِسی طرح کے اور بہت سے نقص اُن میں موجود تھے۔ پس بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی اور اِس زمانہ میں ہماری حالت بظاہر اچھی نظر آتی ہے مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دشمن کی جس قدر اُس وقت طاقت تھی اُس سے بہت زیادہ آج ہمارا دشمن طاقتور ہے۔ حقیقتاً اگر غور کیا جائے اور اس بے بسی کو بھی دیکھا جائے کہ جماعت احمدیہ جس کے سپرد یہ عظیم الشان کام کیا گیا ہے وہ محکوم ہے جبکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آزاد تھے، تو ماننا پڑتا ہے کہ اِس زمانہ کا کام اُس زمانہ سے کوئی کم مشکل نہیں بلکہ نسبت وہی قائم ہے جو پہلے تھی۔ لیکن باوجود اِس کے کہ اِس زمانہ کا کام ویسا ہی ناممکن نظر آتا ہے جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نظر آتا تھا۔ جس خدا نے اُس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں تیری تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلا دوں گا، اُسی خدا نے آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ میں تجھے کامل غلبہ بخشوں گا اور تیرے تمام دشمنوں کو تیرے مقابلہ میں شکست دوں گا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو کام ہوُا تھا وہ انسانی کام تھا تو کہا جاسکتا ہے کہ اُس زمانہ میں اگر یہ کام ہو بھی گیا تھا تو آج اِس کا کوئی امکان نہیں کیونکہ آج انسانی طاقت بہت بڑھی ہوئی ہے لیکن اگر خدا نے وہ کام کیا تھا اور واقع میں اُسی نے کیا تھا تو جس خدا میں یہ طاقت تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو زیر کر کے آپ کی تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلا دے، اُسی خدا میں آج بھی یہ طاقت ہے کہ وہ ہمارے دشمنوں کو زیر کر کے احمدیت کی تعلیم اکنافِ عالَم میں پھیلا دے اور دنیا کے تمام ادیان پر اسلامی تعلیم کی برتری اور فوقیت عملی رنگ میں ثابت کر دے۔ پس اِس غلبے کا امکان موجود ہے مگر موقع کی نزاکت اور اہمیت ایسی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کی توجہ اِس کام کی طرف مبذول ہونی چاہئے۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہم میں سے کوئی شخص دیانتداری کے ساتھ احمدی نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے اور جاگتے یہ مقصد اپنے سامنے نہیں رکھتا کہ اُس نے دنیا کے تمام تمدنوں کو مٹا کر

اسلامی تمدن قائم کرنا ہے۔ اُس نے دنیا کے تمام اصول کو مٹا کر اسلامی اصول کا احیاء کرنا ہے اور اس نے اسلام کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق تمام دنیا کو ایک نئے رنگ میں ڈھالنا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف مَیں ایک عرصہ سے جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے دوست جب ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں تو وہ یہ سمجھ کر داخل ہوتے ہیں کہ صرف چند مسائل کا نئے رنگ میں سمجھنا احمدیت میں داخل ہونے کی غرض ہے۔ حالانکہ چند مسائل کا سمجھانا حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض نہیں۔ مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض اسلام اور احمدیت کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ مسیح موعودؑ کے آنے کی یہ غرض نہیں کہ صرف تم اس پر ایمان لاؤ یا میں اُس پر ایمان لے آؤں، بلکہ میرا اور تمہارا ایمان کیا ساری دنیا کا ایمان لے آنا بھی مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض نہیں۔ پس میرے یا تمہارے ایمان لانے سے وہ غرض پوری نہیں ہوسکتی، وہ دس کروڑ افراد کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہوسکتی، وہ ایک ارب لوگوں کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہوسکتی، وہ ساری دنیا کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ اگر ساری دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے مگر وہ تبدیلی پیدا نہ ہو جس تبدیلی کو پیدا کرنا آپ کا حقیقی مقصد اور مدعا تھا تو یہ ہماری فتح کس طرح کہلا سکتی ہے۔ ہماری فتح تو اُسی وقت ہوگی جب وہ تبدیلی پیدا ہوگی جس تبدیلی کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ پس جب بھی کوئی شخص احمدیت میں داخل ہوتا ہے، اسے یہ امر اپنے مدنظر رکھنا چاہئے کہ ہماری غرض یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کریں اور باقی تمام تعلیموں کو مٹا کر رکھ دیں۔ ہم نے یہ غرض کبھی نہیں چھُپائی۔ ہم حکومت کے وفادار ہیں اور جس حکومت کے ماتحت بھی رہیں گے اُس سے وفاداری کرنا نہیں چھوڑیں گے مگر اسلام کے غلبہ کی خواہش جو ہمارے دلوں میں ہے وہ مٹائی نہیں جاسکتی اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ ہمارے ضمیر کی حریت کو سلب کرے مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ کام اتنا اہم ہے کہ اس کیلئے ہمیں بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلی اور کم درجہ کی قربانی یہ ہے کہ جماعت کے خیالات میں ایک تبدیلی پیدا کی جائے تا ہماری جماعت کے ہر بچے، ہر بوڑھے، ہر مرد اور عورت کے دل میں پوری مضبوطی سے

یہ بات گڑ جائے کہ اس کے سپرد کیا کام ہے۔ ہمارا ایک زمیندار جس وقت ہل چلا رہا ہو جب اس کے تن پر پورا کپڑا بھی نہ ہو، جب ایک معمولی تہبند اُس نے باندھا ہؤا ہو اُس وقت گو وہ ہل چلا رہا ہو مگر اُس کے دل میں یہ خیال موجزن ہونا چاہیئے کہ وہ کونسا ذریعہ ہے جس کے ماتحت اسلام کا جھنڈا مَیں دنیا کے تمام لوگوں کے دلوں پر گاڑ سکتا ہوں۔ ہمارا ایک درزی جس وقت سُوئی چلا رہا ہو جس وقت اسے یہ معلوم نہ ہو کہ آج کی مزدوری میرے بیوی بچوں کے کھانے کیلئے کافی بھی ہوگی یا نہیں یہی خیالات اس کے دل میں بار بار اٹھنے چاہئیں کہ وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے کام لیتے ہوئے اسلام تمام دنیا پر غالب آ سکتا ہے اور ادیانِ باطلہ شکست کھا سکتے ہیں۔ ہمارا ایک سقہ جس وقت مشک اُٹھائے جا رہا ہو جب اس کے بوجھ کے نیچے اس کی کمر خم ہو رہی ہو، اس کے دماغ میں یہی خیالات پیدا ہونے چاہئیں کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن سے کام لیتے ہوئے اسلام کو دنیا پر غالب کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا ایک مزدور جس وقت من دو من بوجھ اُٹھائے جا رہا ہو، جب گرمی کی شدت سے اس کا پسینہ بہہ رہا ہو، جب اس کا سر بوجھ کے مارے جھُکا جا رہا ہو، اُس وقت بھی اس کے دماغ میں یہی خیالات اٹھنے چاہئیں کہ کن ذرائع سے کام لیتے ہوئے اسلامی تعلیم کا احیاء ہو سکتا ہے اور وہ کون سے طریق ہیں جن کے ماتحت اسلام کو تمام دنیا پر غالب کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ کیفیت ہماری جماعت کے تمام دوست اپنے اندر پیدا کر لیں گے تو اس کے نتیجہ میں ان کے اندر ایسی روح پیدا ہو جائے گی کہ وہ آستانۂ الٰہی کی طرف تمام دنیا کو کھینچ کر لے آئیں گے اور جس قدر مخالف طاقتیں ہیں اُن کو کُچل کر رکھ دیں گے۔ مگر ہمارا کُچلنا تلواروں سے نہیں بلکہ تبلیغ کے ذریعہ ہوگا، ہمارا کچلنا تعلیم کے ذریعہ ہوگا، ہمارا کُچلنا ترغیب کے ذریعہ ہوگا۔ ہم لوگوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کریں گے اور اس کے بعد ان کے جسموں پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ان کے جسموں پر قبضہ کر کے ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا کریں۔ اِسی کیلئے میں نے مختلف شکلوں میں بعض انجمنیں قائم کی ہیں مگر غرض صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ان خیالات کو دور کیا جائے جو اسلام کے خلاف دنیا میں پیدا ہو گئے ہیں۔ دنیا اِس وقت قسم قسم کے ظلموں کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ کوئی کسی فلسفہ کے ماتحت ظلم کر رہا ہے اور کوئی کسی فلسفہ کے ماتحت مگر انسان کی حقیقی راحت کیلئے جو تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نازل ہوئی تھی اسے لوگوں نے بھلا رکھا ہے۔ پس یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس تعلیم کو دنیا میں رائج کریں اور سب سے پہلے خود اس پر عمل کریں اور پھر دنیا کی بہتری کیلئے آہستہ آہستہ اُسے لوگوں میں رائج کریں۔

کئی باتیں بظاہر نہایت چھوٹی نظر آتی ہیں مگر دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہیں۔ پہلے لوگ انہیں سنتے ہیں تو ہنستے ہیں مگر بعد میں انہیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ واقع میں یہ تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اسی وجہ سے میں کچھ عرصہ سے جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہوں کہ وہ اسلامی تمدن کے قوانین اپنے اندر جاری کریں تا دوسرے لوگ دیکھ کر اندازہ لگا سکیں کہ اسلامی تمدن کیسا بابرکت اور آرام دہ ہے۔ اس کے متعلق گزشتہ سال سے میں یہ کہتا چلا آ رہا ہوں کہ ہمیں اپنی تجارتوں میں، اپنے لین دین کے معاملات میں اور اسی طرح اور تمدنی اور اقتصادی امور میں اسلامی تعلیم کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسی ہدایات دی ہیں کہ جن پر اگر عمل کیا جائے تو دنیا میں حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے۔ بعض باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب دنیا کی حکومتیں بھی ان کی طرف توجہ کر رہی ہیں۔

تھوڑے ہی دن ہوئے اخبارات میں ایک خبر پڑھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ خوشی تو اس لئے کہ وہ ایک اسلامی تعلیم ہے جس کا احیاء ہوا ہے اور افسوس اس لئے کہ مسلمانوں نے اس بات کو اسلامی تعلیم سے نہ سیکھا بلکہ صدیوں تک مصیبتیں اُٹھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد یورپ سے سیکھا حالانکہ وہ تعلیم اسلام میں موجود ہے اور اسی نے سب سے پہلے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ بات یہ ہے کہ ایک دو مہینے ہوئے ترکوں نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ تمام اشیاء کا ایک ریٹ مقرر ہونا چاہیئے تاکہ کوئی دکاندار سَودا مہنگا یا سَستا فروخت نہ کر سکے بلکہ جب بھی کوئی گاہک کسی دکان پر جائے اُسے مقررہ قیمت پر چیز مل جائے۔ اِس ضمن میں ہر دکاندار کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی دکان پر تمام چیزوں کی ایک لسٹ بنا کر لٹکا دے اور ہر چیز کے آگے اس کا بھاؤ درج کرے تا تمام بازار میں چیز ایک قیمت پر ملے۔ یہ نہ ہو کہ کسی سے زیادہ قیمت وصول کر لی جائے اور کسی سے کم۔ اس کی وجہ انہوں نے یہی بتائی ہے کہ

بیرونی مُلکوں کے لوگ جب ہمارے مُلک میں آتے ہیں تو ایک ہی چیز کسی جگہ انہیں کسی قیمت پر ملتی ہے اور کسی جگہ کسی قیمت پر۔ اگر کوئی ہوشیار گاہک ہو تو اُس سے کم قیمت لے لیتے ہیں اور اگر کوئی بیوقوف ہو تو اُس سے زیادہ پیسے وصول کر لیتے ہیں۔ پھر جب وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ چیز کتنے کو خریدی ہے تو ایک کوئی قیمت بتاتا ہے اور دوسرا کوئی۔ ایک کہتا ہے میں نے یہ چیز دو روپے کو خریدی ہے اور دوسرا اُسی چیز کے متعلق یہ کہتا ہے کہ میں نے بارہ آنے کو خریدی ہے۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں چیز کے پندرہ روپے دیئے ہیں اور دوسرا کہتا ہے میں نے دس روپے دیئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے اخلاق ان کی نگاہ میں گر جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ تُرک جھوٹے ہوتے ہیں۔

یورپ میں ایک حد تک اس پر عمل کیا جاتا ہے مگر اس کے ہر مُلک میں نہیں بلکہ زیادہ تر انگلستان میں ہی اس پر عمل ہوتا ہے۔ ورنہ اور ممالک میں خواہ وہ یورپین ہی کیوں نہ ہوں قیمتوں کا گھٹنا اور بڑھنا ہمیشہ نظر آتا ہے۔ انگلستان میں بھی کسی حد تک ہی یہ بات پائی جاتی ہے مگر جو معزز دکاندار ہیں وہ ہمیشہ اپنی اشیاء کی ایک قیمت رکھتے ہیں اور بعض دکاندار تو اتنی سختی سے کام لیتے ہیں کہ اگر کوئی گاہک انہیں یہ کہے کہ قیمت ذرا گھٹا دیں تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ ہماری دکان سے چلے جائیں۔ لیکن بہرحال ایشیا کی نسبت یورپ میں اس بات کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے کہ مقررہ قیمتوں پر چیزیں فروخت ہوں۔ مگر تعجب ہے کہ وہ مذہب جس نے اپنے ابتدائی زمانہ میں سے ہی لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی اس کے ماننے والے اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ یہ اصل میں اسلامی تعلیم ہے بلکہ وہ اسے یورپ کی خوبی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مدینۂ منورہ میں قیمتوں پر اسلامی حکومت تصرف رکھتی تھی۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں پھر رہے تھے کہ آپ نے دیکھا ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ المصلّی نامی بازار میں دو بورے سُوکھے انگوروں کے رکھے بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ نے ان سے بھاؤ دریافت کیا تو انہوں نے ایک درہم کے دو مُد بتائے۔ یہ بھاؤ بازار کے عام بھاؤ سے سستا تھا۔ اس پر آپ نے اُن کو حکم دیا کہ اپنے گھر جا کر فروخت کریں مگر بازار میں وہ اِس قدر سستے نرخ پر فروخت نہیں کرنے دیں گے کیونکہ اِس سے

بازار کا بھاؤ خراب ہوتا ہے اور لوگوں کو بازار والوں پر بدظنی پیدا ہوتی ہے۔[۲] فقہاء نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں کہ بعد میں حضرت عمرؓ نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا تھا مگر بِالعموم فقہاء نے حضرت عمرؓ کی رائے کو ایک قابلِ عمل اصل کے طور پر تسلیم کیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ریٹ مقرر کرے ورنہ قوم کے اخلاق اور دیانت میں فرق پڑ جائے گا۔ مگر یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس جگہ اُنہی اشیاء کا ذکر ہے جو منڈی میں لائی جائیں۔ جو اشیاء منڈی میں نہیں لائی جاتیں اور انفرادی حیثیت رکھتی ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔ پس جو چیزیں منڈی میں لائی جاتی ہیں اور فروخت کی جاتی ہیں ان کے متعلق اسلام کا یہ واضح حکم ہے کہ ایک ریٹ مقرر ہونا چاہئے تا کوئی دکاندار قیمت میں کمی بیشی نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض آثار اور احادیث بھی فقہاء نے لکھی ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اب دیکھو وہ خوبی جو آج تُرک یورپ سے نقل کر کے اپنے اندر پیدا کر رہے ہیں وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ سے موجود چلی آتی ہے مگر اس کو مسلمانوں نے بھلا دیا اور سمجھ یہ لیا کہ یہ اچھی باتیں یورپ کی ایجاد کردہ ہیں۔ اسی طرح اور ہزارہا باتیں ہیں جن میں اسلام نے ابتداء سے صحیح تعلیم دی ہوئی ہے جن سے ایک طرف افراد کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے تو دوسری طرف اجتماعی حقوق کی نگرانی ہوتی ہے۔ وہ ایک درمیانی راستہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے انفرادیت کا یہ حق نہیں کہ وہ اجتماعیت کو کچلے اور اجتماعیت کا یہ حق نہیں کہ وہ انفرادیت کو کچلے۔ مثلاً قرآن شریف حکم دیتا ہے کہ لین دین کا معاملہ ہو تو اسے لکھ لو۔ اب کتنے مسلمان ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ مگر یورپین لوگ سب اس پر عمل کرتے ہیں اور یورپ والوں نے یہ خوبی سپین والوں سے سیکھی ہے جہاں کئی سو سال تک اسلامی حکومت قائم رہی۔ سپین میں جس قدر سودے ہوتے تھے وہ لکھے جاتے تھے اور پرانی اسلامی تاریخ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سودے لکھے جاتے تھے، یہی قرآن کا حکم ہے۔ اگر اس حکم کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو بسا اوقات بعد میں بڑے بڑے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو چھوٹی باتیں ہوں یا بڑی باتیں سب کی سب قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے انہیں ترک کر دیا

ہے۔ پس اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان تمام باتوں کو دنیا میں رائج کریں کیونکہ کوئی بات ایسی نہیں جس کے متعلق اسلام میں کامل تعلیم موجود نہ ہو۔ ورثہ کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں، لین دین کے معاملات کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں، شادی بیاہ کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں، سیاسیات کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں، تعلیم وتربیت کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں، شاگرد کے استاد سے کیسے تعلقات ہوں، استاد کے شاگرد سے کیسے تعلقات ہوں، بادشاہ کا رعایا سے کیسا سلوک ہو اور رعایا کا بادشاہ سے کیسا سلوک ہو، ان تمام امور کے متعلق اسلام میں نہایت تفصیلی تعلیم موجود ہے اور کوئی شعبہ انسانی زندگی کا ایسا نہیں جس کے متعلق احکام موجود نہ ہوں۔ اگر ہم ان تمام احکام پر خود عمل کریں اور دوسروں میں انہیں رائج کریں تو دنیا پر اسلامی احکام کی خوبی خود بخود واضح ہوتی چلی جائے گی اور وہ ایک دن اس بات پر مجبور ہو جائے گی کہ اس طرف کُلّیۃً آ جائے۔ ہمارے راستہ میں جو چیز روک ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے پاس حکومت نہیں۔ یعنی اگر ہم اسلامی قواعد جاری کریں تو ایک ایسا طبقہ کھڑا ہو جاتا ہے جو یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے اور چونکہ حکومت ہمارے پاس نہیں اس لئے حکومت کے بعض افراد کو بھی دشمن اُکسانے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بنی نوع انسان کے حقوق میں مداخلت کر رہے ہیں اور کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ ہم حکومت میں دخل نہیں دینا چاہتے بلکہ شیطان کی حکومت کی جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں آخر اسلام کی حکومت اگر دنیا میں قائم ہو تو اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا فائدہ ہے؟ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فائدہ ہے؟ اس حکومت کے قیام میں تو خدا کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ خدا جس قدر احکام دیتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لئے نہیں دیتا بلکہ لوگوں کے فائدہ کے لئے دیتا ہے۔ اگر ہم ان احکام پر عمل کریں تو آرام و راحت میں رہ سکتے ہیں اور اگر عمل نہ کریں تو اسی دنیا میں ایک عذاب میں رہیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو احکام بھی دیتے ہیں وہ لوگوں کو نفع پہنچانے کیلئے دیتے ہیں اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو وراء الوریٰ ہستی ہے جو غنی اور صمد ہے اسے ان باتوں سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ میاں اور بیوی کے تعلقات کیسے ہوں،

راعی اور رعایا کے تعلقات کیسے ہوں، مدعی اور مدعا علیہ کے تعلقات کیسے ہوں، اس سے تو سراسر ہمیں ہی فائدہ پہنچتا ہے خدا کو فائدہ نہیں ہوتا۔ پس ضروری ہے کہ ہم نہ اپنے فائدہ کیلئے بلکہ بنی نوع انسان کی فلاح اور بہبود کیلئے اسلامی تعلیم دنیا میں قائم کریں اور ان تمام اصول کو دنیا میں رائج کریں جنہیں اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف میں ایک عرصہ سے جماعت کو لا رہا ہوں اور بار بار بتا رہا ہوں کہ ہماری جماعت کے قیام کی غرض اسلام کی تعلیم کو قائم کرنا ہے۔ جب ہم عملی طور پر اس تعلیم کو قائم کر لیں گے اور کوئی روک ہمارے راستہ میں حائل نہیں رہے گی اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اپنے قیام کی غرض کو پورا کر دیا۔

میں نے بتایا ہے کہ اگرچہ اسلامی تعلیم کے بعض حصے ایسے ہیں جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر وہ بہت ہی قلیل ہیں۔ ایک کثیر حصہ اسلامی احکام کا ایسا ہے جسے ہم ہر وقت جاری کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے ہمیں ایک ایسی حکومت عطا کی ہے جس کے بعض افراد کی خواہ ہم کس قدر مذمت کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے افراد کو ان کے اپنے عقائد کے متعلق بہت کچھ آزادی دی ہوئی ہے اور وہ بہت تھوڑے معاملات میں دخل دیتی ہے۔ یہ انگریزی حکومت میں ایک ایسی خوبی ہے جس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ گو اسلام میں اس سے بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں یہودیوں کو اپنے قاضی اور عیسائیوں کو اپنے قاضی مقرر کرنے کی اجازت تھی۔ جو ان کی اپنی شریعت کے مطابق ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے اور انہیں تنخواہیں سرکاری خزانہ سے دی جاتیں۔ یعنی تنخواہ انہیں مسلمان حکومت دیتی اور وہ اپنی قوم کے جھگڑوں کا تورات یا انجیل کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اب انگریزی حکومت میں یہ بات تو نہیں کہ وہ ہمارے قاضیوں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دے مگر بہرحال خاص دائرہ کے اندر اگر ہم اپنے لئے خود قاضی مقرر کر لیں تو حکومت اس سے روکتی نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ پس ہم اگر چاہیں تو اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی نوے یا پچانوے فی صدی تعلیمات جاری کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم لین دین اور سودوں کے معاملات میں شریعت کے احکام جاری کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہمارے گاہک اور تاجر اس بات پر راضی ہوں کیونکہ حکومت ان معاملات میں دخل نہیں دیتی۔

ابھی پچھلے دنوں ایک جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ مصری صاحب کا مقاطعہ جو جماعت احمدیہ نے کیا ہے یہ درست نہیں اور کسی کا حق نہیں کہ وہ ایسے معاملات میں دخل دے اور دکانداروں کو ہدایت کرے کہ سودا وغیرہ نہ دیں مگر اس کے خلاف جب بالا جج کے پاس اپیل کی گئی تو اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے لئے ایک قانون بناتی ہے تو کسی کا کوئی حق نہیں کہ اس قانون میں دخل دے۔ یہ برطانوی روح جو اس جج سے ظاہر ہوئی وہی ہے جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ برطانوی حکومت میں افراد کی آزادی کی روح پائی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک ممتاز نیکی ہے جو اس قوم میں پائی جاتی ہے اور اسی نیکی کے اثر کے ماتحت مذکورہ بالا جج نے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت احمدیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون شکنی کئے بغیر جماعت کی بہتری کیلئے جو قانون چاہے بنائے اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اگر اس بات کو سمجھیں کہ اصل فائدہ اسی تعلیم میں ہے جو اسلام نے پیش کی ہے تو وہ وسوسے جو بعض دفعہ انسانی قلب میں پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ اس تعلیم پر عمل کر کے مجھے فلاں نقصان پہنچے گا وہ تھوڑی سی توجہ اور اصلاح سے دور ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بددیانتی ہے۔ یہ ایک عیب ہے جو دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ماتحت بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ زید بکر سے دس روپے لُوٹتا ہے اور عمر، زید سے وہ روپے لُوٹ لیتا ہے۔ پھر خالد آتا ہے وہ عمر سے روپے لے جاتا ہے اور اس طرح عملی رنگ میں حساب وہیں آ کر ٹھہرتا ہے جہاں بددیانتی سے پہلے تھا۔ اگر زید، بکر، عمر اور خالد سب دیانتداری اختیار کریں تو روپیہ بھی وہیں کا وہیں رہے گا اور مزید فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے محفوظ رہیں گے۔ تمہیں دنیا میں یہ کہیں نظر نہیں آئے گا کہ ٹھگ آخر تک کامیاب ہوتا چلا جائے۔ ٹھگی اور دھوکا بازی آخر ایک دن ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ اس سے روپیہ چھینتا ہے اور وہ اس کا روپیہ غصب کر لیتا ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ روٹی کھائیں اور دوسرے کے مال کی طرف تحریص کی نگاہوں سے نہ دیکھیں تو انہیں ایک دوسرے کے خلاف کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ مگر اب یہ حال ہے کہ ایک دوسرے سے چھینتا ہے اس سے اگلا چھین لیتا ہے اور اس سے کوئی اور چھین لیتا ہے اور سارے ہی فریادی رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے دنیا کتنی خراب ہوگئی، فلاں شخص مجھ سے دھوکا بازی کر کے

اتنا روپیہ لے گیا اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ میں نے فلاں کے ساتھ دھوکہ بازی کی تھی اور اس کا اتنا مال میں نے بھی بے جا طور پر غصب کرلیا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف اور دوسرا تیسرے کے خلاف شور مچائے پھرتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر شخص خود بھی دھوکہ باز اور مجرم ہوتا ہے۔ اگر یہ سارے اپنی اپنی جگہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم نے بددیانتی سے دوسرے کا مال نہیں لینا تو مالی حالت گو ان کی پھر بھی ویسی ہی رہتی جیسی پہلے تھی مگر زائد فائدہ یہ ہوتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہو جاتے اور اس کی نصرت اور تائید ان کے شامل حال رہتی۔

تو اسلامی تعلیم کے رائج ہونے کے ساتھ ہی دنیا کی بہتری ہے اور ہمیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان عطا کیا ہے، جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بے نظیر ہادی اور قرآن کریم جیسا بے نظیر ہدایت نامہ ملا ہے، یہ امر ہمیشہ سوچتے رہنا چاہئے کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن کے ماتحت اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہم خود جب قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے تو ہمارے لئے اس امر کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ ہمارا اولین فرض اسلامی تعلیم کا احیاء ہے کیونکہ ہم جس دن قرآن پر ایمان لائے اسی دن ہم نے اقرار کرلیا کہ ہم اس کا جؤا اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں اور اس کی تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلانے کا عہد کرتے ہیں لیکن اگر اس اقرار اور اس ایمان کے بعد بھی ہم عمل ترک کر دیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف کوئی توجہ نہ کریں تو دوسروں پر کیا گلا ہو سکتا ہے۔ پس ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ نہایت سنجیدگی اور اہتمام سے اس کام کیلئے کھڑی ہو جائے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو، تم دنیا میں کیا کر سکو گے۔ دنیا میں کئی چھوٹی چیزیں ایسی ہیں جو ابتداء میں حقیر دکھائی دیتی ہیں مگر آخر سب دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔ طریق یہی ہے کہ پہلے اسے ایک اختیار کرتا ہے پھر دوسرا اختیار کرتا ہے پھر تیسرا اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تمام لوگ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔

حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی پیارے بندے کی قبولیت کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے تو قریب کے فرشتوں کو بتاتا ہے کہ فلاں شخص میرا محبوب ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ نچلے فرشتوں کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر کے ملائکہ سے کوئی بات کہی ہے

تو وہ ان سے پوچھتے ہیں کہ اللہ میاں نے تم سے کیا بات کہی ہے۔ اس پر وہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے اور اب ہمارا بھی یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ ہم اس سے محبت کریں۔ ان کی آپس کی باتوں کی اطلاع پا کر جو اور نیچے فرشتے ہوتے ہیں وہ اپنے سے اوپر والے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔ اس پر وہ انہیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص خدا تعالیٰ کا محبوب ہے اور ہمیں اس سے محبت رکھنے کا حکم ملا ہے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے زمین کے فرشتوں تک بات پہنچ جاتی ہے۔ فَيُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ[۳] اس شخص کی قبولیت تمام دنیا کے نیک بندوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اس امر کی ایک مثال دی ہے کہ نیکی کے متعلق کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ تھوڑی ہے۔ اگر تم تھوڑی نیکی بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھائے گا پھر اور بڑھائے گا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا میں وہ پھیل جائے گی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی تھی اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ کسی وقت تمام دنیا اس تعلیم کے آگے اپنے سر کو جھکا دے گی مگر کروڑوں کروڑ لوگ تو اب بھی اس تعلیم کو لفظاً مانتے ہیں اور ہزار سال ایسے گزرے ہیں جبکہ مسلسل کروڑوں نفوس اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کے سامنے تعلیم پیش کی تھی کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا میں رائج ہو جائے گی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیم پیش کی کی تھی کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا میں رائج ہو جائے گی، جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی تعلیم پیش کی تھی اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تعلیم ساری دنیا میں پھیل جائے گی، مگر آخر یہ تمام تعلیمیں ساری دنیا میں پھیل کر رہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعلیم پیش فرمائی ہے اس کے متعلق لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم تھوڑے ہیں، ہم غریب ہیں، ہم دنیا کی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل ہیں مگر یہ ہم جانتے ہیں کہ جو چیز ہمارے پاس ہے وہ اتنی اچھی ہے کہ لوگ زیادہ دیر تک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس تعلیم کو اپنی زندگیوں کا دستورُ العمل بنالیں تو یقیناً دوسرے لوگ بھی اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے اور تو اور ہماری جماعت کے سب سے زیادہ مخالف ''پیغام صلح'' سے تعلق رکھنے والے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے

افراد ہیں انہیں اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ ہماری مخالفت کا خیال رہتا ہے لیکن الفضل میں تم نے کئی بار ایسے مضامین پڑھے ہوں گے اور جو واقف ہیں وہ ذاتی طور پر اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں کہ جو آواز ہمارے مرکز سے اٹھائی جائے سب سے پہلے وہ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں مگر سال دو سال کے بعد اسی کی نقل کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے تو انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ہم مخالفت کر کے انہیں ناکام اور ذلیل کر دیں مگر جب دیکھتے ہیں کہ وہ ناکام اور ذلیل نہیں کر سکے تو آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ یہ کام تو بڑا اچھا ہے۔ اگر ہم نے اسے اختیار نہ کیا تو اس کے فوائد سے ہم محروم رہیں گے اور یہ جماعت ہم سے بڑھ جائے گی۔ چنانچہ وہ پھر اسی کی نقل میں خود وہ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ سچ تو الگ رہا دنیا میں جھوٹ کے طور پر بھی اگر کوئی اچھی بات بتائی جائے تو لوگ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ عربوں میں ایک مثل مشہور ہے جب انہوں نے یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص بڑا حریص ہے تو کہتے ہیں وہ فلاں لڑکے کی طرح حریص ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی لڑکا تھا جو نہایت ہی سادہ مزاج تھا مگر اسے کھانے پینے کا بڑا شوق تھا۔ لڑکے اس سے ہمیشہ ہنسی مذاق کرتے اور اس قدر چھیڑتے کہ وہ تنگ آجاتا اور دق ہو کر اپنا پیچھا چھڑانے کیلئے ان سے کہہ دیتا کہ آج فلاں عرب رئیس کے ہاں بڑی بھاری دعوت ہے۔ وہ سمجھتا تھا دعوت کا میں نے ذکر کیا تو یہ تمام لڑکے ادھر بھاگ جائیں گے اور مجھے چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ وہ سب اسے چھوڑ کر اس رئیس کے مکان کی طرف چلے جاتے۔ بعد میں اسے خیال آتا کہ میں نے انہیں کہا تو جھوٹ موٹ ہی ہے مگر کیا پتہ شاید واقع میں اس نے کسی دعوت کا انتظام کیا ہوا ہو۔ اس صورت میں یہ تمام لڑکے کھانا کھا کر آجائیں گے اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی وہ خود بھی اس رئیس کے مکان کی طرف دَوڑ پڑتا۔ اتنے میں وہ لڑکے غصہ میں بھرے ہوئے واپس آرہے ہوتے تھے کیونکہ وہاں دعوت تو کوئی ہوتی نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ اسے پکڑ لیتے اور پھر تنگ کرنا اور پیٹنا شروع کر دیتے۔ وہ کہتا اصل بات یہ ہے کہ میں نے تم سے ٹھٹھا کیا تھا اور سچی بات نہیں بتائی تھی۔ اگر سچ پوچھتے ہو تو اس رئیس کے ہاں نہیں بلکہ فلاں رئیس کے ہاں دعوت ہے یہ سن کر تمام لڑکے پھر اس رئیس کے مکان کی طرف بھاگ پڑتے مگر ان کے جانے کے بعد پھر اسے خیال آتا کہ میں نے بات تو

یونہی کہی ہے لیکن اگر واقع میں اس رئیس کے ہاں اتفاقاً کوئی دعوت ہوئی تو پھر میں تو اس سے محروم رہوں گا اور اس کا کیا فائدہ کہ لڑکوں سے مار بھی کھائی اور دعوت سے بھی محروم رہا۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی وہ خود بھی اس رئیس کے مکان کی طرف بھاگ پڑتا۔ اس حکایت سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اچھی چیز سے ہر شخص حصہ لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ خیالی اور وہمی ہی کیوں نہ ہو۔ کُجا یہ کہ ہم سچ مچ ایک نہایت ہی قیمتی چیز لوگوں کے سامنے رکھ دیں اور وہ اس کو لینے کیلئے تیار نہ ہوں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ تعلیم دی ہے جس سے بہتر اور کوئی تعلیم نہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب دی ہے جس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو دنیا اس تعلیم کی مخالفت بھی کرتی ہے مگر آخر چکر کھا کھا کر اسی جگہ پہنچتی ہے جس جگہ اسلام بنی نوع انسان کو لانا چاہتا ہے۔ آخر وہ کون سی اسلامی تعلیم ہے جس کی دنیا نے مخالفت کی مگر پھر دوسرے وقت اس نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

مسئلہ طلاق کی یورپ نے اتنی شدید مخالفت کی تھی کہ مسلمانوں نے اس سے متاثر ہو کر ایسی کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن میں یہ ظاہر کیا کہ طلاق اسلام میں جائز نہیں۔ یہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے حالات کی وجہ سے مجبوراً جاری کی گئی تھی ورنہ طلاق دینا حقیقتاً جائز نہیں لیکن آج یورپ کے رہنے والے خود طلاق کی ضرورت کو تسلیم کر چکے ہیں اور آئے دن عدالتوں میں طلاق کی درخواستیں پیش ہوتی رہتی ہیں اور عدالتیں اپنے حکم سے طلاق دلوا دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا مسئلہ ہے۔ یورپ نے اس پر ایک لمبے عرصہ تک اعتراضات کئے مگر آج یورپ میں ایک سے زیادہ شادیوں کی تائید میں مضامین لکھے جاتے ہیں اور مضامین لکھنے والے بڑے بڑے فلاسفر ہوتے ہیں۔ اسی طرح حرمت سود کی ایک عرصہ تک یورپ نے مخالفت کی اور کہا کہ سود کے بغیر تجارتیں نہیں چل سکتیں مگر آج اسی یورپ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سود کو بَیْنَ الاقوامی مناقشات کی اصل جڑ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح شراب سے اسلام نے روکا اور مغرب نے اس پر اعتراض کیا مگر آج امریکہ میں شراب کو سخت ناپسند کیا جاتا ہے بلکہ کچھ سال تو اس نے قانوناً شراب پینے اور فروخت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ آج ہندوستان میں بھی کانگرسی حکومت شراب نوشی کے خلاف زبردست جدوجہد کر رہی ہے حالانکہ

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں شراب نوشی کی اجازت پائی جاتی ہے۔ پس بے شک وہ شراب نوشی کو روک رہے ہیں مگر وہ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر رہے بلکہ اسلام پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر دنیا مسئلہ طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرنے کی طرف آ رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے، اگر وہ تعدّد ازواج کی اجازت کی اہمیت کو تسلیم کرنے کی طرف آ رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے، اگر وہ سود کے خلاف ہو رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے، اگر وہ شراب نوشی کو روک رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے، مگر تم میں اور ان میں فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ ان میں سے کسی فریق نے اسلامی تعلیم کا ایک ٹکڑہ لے لیا ہے اور کسی فریق نے اس تعلیم کا دوسرا ٹکڑا لے لیا ہے مگر تم وہ ہو جنہیں خدا تعالیٰ نے تمام کی تمام تعلیم دے رکھی ہے۔ دنیا اس تعلیم کے ایک ایک ٹکڑے کیلئے لڑائیاں لڑ رہی ہے اور لاکھوں کروڑوں لوگ ایک طرف ہیں اور لاکھوں کروڑوں لوگ دوسری طرف، حالانکہ وہ اسلام کی عمارت کا ایک چھوٹا سا ذرّہ ہے مگر تمہارے پاس ہدایت اور رُشد کا عالیشان محل تیار ہے۔ پس تم پر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اور تمہارا فرض ہے کہ تم اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے عملی رنگ میں اسے دنیا میں قائم کرو مگر اس کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء اسلامی تعلیم کو عمدگی کے ساتھ جماعت کے دوستوں پر واضح کریں اور انہیں اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائیں۔ آخر ہمارے پاس طاقت تو ہے نہیں کہ جیسے ہٹلر اور مسولینی نے اپنے خیالات لوگوں سے منوا لئے ہیں اسی طرح ہم بھی منوا سکیں۔ ہم تو جب بھی اپنی باتیں لوگوں سے منوائیں گے تبلیغ کے ذریعہ منوائیں گے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جب ہماری جماعت کے اندر یہ روح پیدا ہو جائے گی اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ فلاں فلاں معاملات میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہوئی ہے تو اس میں سے ہر شخص نہایت ذوق شوق کے ساتھ اس پر عمل کرنے کیلئے کھڑا ہو جائے گا۔ مرد اپنی جگہ عمل کریں گے، عورتیں اپنی جگہ عمل کریں گی اور بچے اپنی جگہ عمل کریں گے۔ اور اس کے ایسے شاندار نتائج نکلیں گے کہ دنیا یہ تسلیم کرے گی کہ اس تعلیم سے بڑھ کر اور کوئی تعلیم نہیں۔

پس ایک طرف یہ علماء کا فرض ہے کہ اسلام نے دنیوی معاملات کے متعلق جو وسطی تعلیم پیش کی ہوئی ہے اسے جماعت کے دوستوں پر اچھی طرح واضح کریں۔ صرف وفاتِ مسیحؑ یا

ختم نبوت یا صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسائل پر تقریریں کر دینا ان کیلئے کافی نہیں بلکہ ان کا یہ بھی کام ہے کہ وہ اسلام کے تمدنی اور اقتصادی احکام کا مطالعہ کریں، ان پر غور کریں اور جماعت کے دوستوں تک انہیں پہنچائیں اور جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ ان مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثلاً مجلس خدام الاحمدیہ کے جو ممبر ہیں وہ اگر چاہیں تو اس سلسلہ میں بہت مفید کام کر سکتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ تحریک جدید کے مطالبات کو اور ان تمام مسائل کو جو اِن مطالبات کی بنیاد ہیں اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر انہیں لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں۔ اسی طرح اسلام کے جو مسائل تفقّہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کا مطالعہ کریں اور انہیں پھیلائیں۔ خالی یہ مسائل نہیں کہ وضو میں اتنی بار ہاتھ دھونا چاہئے یا اتنی بار کلی کرنی چاہئے۔ بلکہ وہ مسائل جن کا تعلق تفقّہ سے ہے انہیں نکالیں اور لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ اسی طرح اسلام کے جو اقتصادی احکام ہیں ان کا پہلے خود مطالعہ کریں پھر یہ سوچیں کہ دیگر مذاہب کے احکام پر اسلام کے ان حکموں کو کیا کیا فضیلتیں حاصل ہیں اور جب وہ اپنی معلومات کو مکمل کر لیں تو لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کریں اور مختلف جگہوں میں لیکچر دے کر ہر احمدی کو اس سے واقف کریں اور اسے بتائیں کہ اسلام میں کیسی اعلیٰ تعلیم موجود ہے۔ اگر وہ اس رنگ میں جدوجہد کر کے تمام جماعت کو اسلامی مسائل سے آگاہ کر دیں تو یقیناً جماعت کا ایک کثیر حصہ ان پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائے گا کیونکہ میرا تجربہ جماعت کے متعلق یہ ہے کہ اس میں ایمان کی روح کی کمی نہیں جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ بہت سے لوگ عربی نہیں جانتے اور اسلامی تعلیم کا بیشتر حصہ عربی میں ہے اس لئے وہ اسلام کی تعلیم سے ناواقف رہتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی ان امور کے متعلق کیا تعلیم ہے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ سَو میں سے پچانوے نقصان اٹھا کر بھی اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے موجود ہے۔ جس چیز کی کمی ہے وہ علم ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ ہماری جماعت کی تمام انجمنوں کا فرض ہے کہ وہ انہیں اسلامی تعلیم سے آگاہ کریں۔ مثلاً انصاراللہ کی جو جماعتیں مختلف مقامات میں قائم ہیں ان کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ تبلیغ کریں بلکہ اپنی جماعت کو اسلام کی تعلیم سے واقف کرنا بھی ان کا کام ہے۔ بعض علوم بیشک ایسے ہیں جو انہیں

بوجہ علم کی کمی کے نہیں آ سکتے مگر کم سے کم جو باتیں میرے خطبات میں آ چکی ہیں ان کے متعلق یہ ان کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ انہیں تمام جماعت میں پھیلا دیں۔ پھر صرف انصار اللہ ہی نہیں مدرسوں کے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ صاحبان کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ اپنے لڑکوں میں وہ روح پیدا کریں جو میں جماعت کے تمام دوستوں کے دلوں میں پیدا کرنی چاہتا ہوں۔

ابھی چند دن ہوئے ہمارے زنانہ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب مجھے ملنے کیلئے آئے اور کہنے لگے کہ میں کیا کام کروں۔ میں نے انہیں بعض ہدایتیں دیں مگر اب میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ واقع میں کوئی ٹھوس کام کرنا چاہتے ہیں تو اسلامی تعلیم کے احیاء کے متعلق میرے جس قدر گزشتہ خطبات ہیں وہ نکالیں اور ان کے مضامین سے سکول کی طالبات کو آگاہ کریں۔ جب وہ واقف ہو جائیں تو پھر وہ اپنی ماؤں کو، اپنی بہنوں کو اور اپنی دیگر رشتے دار عورتوں کو بتائیں کہ ہماری جماعت کے قیام کی اصل غرض کیا ہے۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں ہی قادیان میں رہنے والا ہر شخص اسلامی تعلیم سے آگاہ ہو جائے اور وہ بشاشت کے ساتھ اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائے مگر اب یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو بعض لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کا خاص حکم نہیں بلکہ ان کا ذاتی استدلال ہے۔ جو سچا مؤمن ہوتا ہے وہ تو ان باتوں کی پروا نہیں کرتا اور نہ اس قسم کے وساوس سے اپنے ایمان کو متزلزل کرتا ہے، وہ صرف یہی جانتا ہے کہ جب ایک شخص ہمارا خلیفہ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے تو پھر وہ جو حکم بھی دے گا اس پر عمل کرنا ہمارے لئے ضروری ہوگا۔ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہیں دے سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ سب لوگ ایمان میں برابر نہیں ہوتے۔ کامل الایمان تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جو بات ان سے کہی جاتی ہے وہ اچھی ہے۔ اگر ان کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ جو بات ان سے کہی جاتی ہے اچھی ہے تو وہ اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ضرور خدا تعالیٰ کا بھی یہی منشاء ہے اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھی نہیں تو اس سے رک جاتے ہیں مگر کچھ لوگ ان سے کم ایمان والے ہوتے ہیں اور وہ اچھی بات کے ساتھ کسی اچھے آدمی کی تائید کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ وہ ہر فتویٰ کسی بڑے آدمی کے منہ سے سننا چاہتے ہیں۔ اگر چھوٹا آدمی وہی فتویٰ سنائے تو وہ اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے لیکن اگر بڑا آدمی وہی فتویٰ سنائے

تو اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

پس اس قسم کی طبائع رکھنے والے لوگوں کو اگر یہ بتایا جائے کہ فلاں مشہور عالم نے یہ کہا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں اچھا تب تو عمل کرنا ضروری ہؤا۔ مگر کچھ لوگ ان سے بھی کم ایمان کے ہوتے ہیں وہ کسی بہت بڑے آدمی کی گواہی چاہتے ہیں اور کہتے ہیں اگر خلیفۂ وقت کہے گا تو ہم مانیں گے، وہ نہیں کہے گا تو کسی دوسرے کی بات ہم نہیں مان سکتے۔ ایسے لوگوں کو اگر خلیفۂ وقت کا حکم سنا دیا جائے تو ان کی تسلی ہو جاتی ہے لیکن بعض لوگ اور بھی ضدی ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کا کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں ایسا حکم دیا ہے یا نہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام بتائے جائیں۔ جب وہ یہ ارشادات سنتے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ جب بانی سلسلہ احمدیہ نے یہی تعلیم دی ہے تو لازماً ہمارا فائدہ بھی اس تعلیم پر عمل کرنے میں ہے مگر کچھ طبیعتیں اس سے بھی اوپر جانا چاہتی ہیں اور وہ کہتی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے ہمیں یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں ایسا حکم دیا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام احادیث سے نکال کر بتائے جائیں۔ جب ان کے سامنے یہ احکام رکھے جاتے ہیں تو کہتے ہیں بہت اچھا۔ اب تو عمل کرنا ضروری ہؤا مگر کچھ طبائع یہاں آ کر بھی ضد کرتی ہیں اور کہتی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح ایک انسان تھے تم یہ بتاؤ کہ قرآن میں کہیں خدا نے یہ حکم دیا ہے یا نہیں۔ پس ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ قرآن سے احکام پیش کئے جائیں۔

غرض چونکہ دنیا میں مختلف طبائع ہیں اس لئے ہمیں ہر طبیعت اور ہر مذاق کے انسان کا علاج سوچ لینا چاہئے۔ جو خالص نیک فطرت آدمی ہو اس کے لئے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے کہ میاں یہ بات تمہارے فائدہ کیلئے ہے اور صداقت کے قیام کیلئے تمہارا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بات کسی عالم نے کہی ہے یا خلیفۂ وقت نے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہی ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بے شک وہ علمی تحقیق بھی کرتا ہے مگر اس کا نفس نیکی کو دیکھ کر ہی اس کی طرف راغب ہو جاتا ہے مگر دوسروں کیلئے مؤیّدات کی

ضرورت ہوتی ہے۔ بعض دفعہ علماء کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض دفعہ خلفاء کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے، بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے، بعض دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے، بعض دفعہ قرآن کریم کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بالکل کورا ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی بھی نہیں مانتا مگر وہ نہ ہمارا ہے نہ خدا کا بلکہ شیطان کا غلام ہے۔ جس نے اس کی روحانیت کو بالکل سلب کرلیا ہے۔ ایسے کئی آدمی ہوتے ہیں جنہیں احمدیت کی تبلیغ جس وقت کی جاتی ہے تو وہ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر خدا بھی آسمان سے اتر کر ہمیں کہہ دے کہ مرزا صاحب سچے ہیں تو ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے آدمیوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا مگر جو دوسرے لوگ ہیں ان کو سمجھانے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے احکام مان لینے کا عادی ہے کہ ان سے دنیا میں صداقت کا قیام ہوتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس پر یہ امر واضح کر دیں کہ ان حکموں کے نتیجہ میں دنیا میں سچائی قائم ہوگی۔ اگر کوئی علماء کی تائید چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے سامنے علماء کے اقوال پیش کریں، اگر کوئی خلفاء کی تائید چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے سامنے خلفاء کے اقوال پیش کریں اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حُجت چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تائیدی ارشادات کہاں ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام اس کے سامنے پیش کریں اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حجت چاہتا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اس کے سامنے رکھیں اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حجت چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے سامنے خدا تعالیٰ کے اوامر پیش کریں اور اس میں ہمارا کوئی حرج نہیں کیونکہ یقیناً سچائی کی تائید ہر صادق کے قول سے مل جائے گی۔ پنجابی میں ایک مثل ہے کہ ''سَو سیانے اِکّو مت''۔ عقلمند خواہ سَو ہوں اُن کا مشورہ ایک ہی ہوگا۔ غرض جس رنگ میں بھی کوئی شخص مطمئن ہوسکتا ہے ہمارا کام ہے کہ اسی رنگ میں اسے مطمئن کریں۔ اور جس میں کوئی بھی قابلیت نہ ہوگی اور جو نہ علماء کے اقوال سے مطمئن ہوگا نہ خلفاء کی ہدایات سے مطمئن ہوگا نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے مطمئن ہوگا نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے مطمئن ہوگا اور بِالآخر خدا کے اوامر سے بھی مطمئن

نہیں ہوگا وہ ہمارا آدمی ہی نہیں کیونکہ ہمارا دائرہ تو خدا تک چلتا ہے۔ پنجابی کی ایک مثل ہے۔ کہتے ہیں ’’مُلّاں دی دَوڑ مسیت تک‘‘۔ ہماری بھی آخری دوڑ خدا تک ہے جو خدا تعالیٰ کی بات بھی نہ سنے تو ہم اسے کہہ دیں گے کہ میاں تمہارا راستہ اور ہے اور ہمارا اور۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوست بھی تھے اور مولوی محمد حسین بٹالوی سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور چونکہ وہ وہابی تھے اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی بڑی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب لدھیانہ کے قریب ایک شہر میں گئے اور انہوں نے وہابیت کی تبلیغ شروع کردی پھر ایک جلسہ کیا جس میں ان کے خلاف زبردست تقریر کی۔ حنفیوں نے پولیس میں رپورٹ کردی کہ مولوی صاحب کی تقریر سے فساد کا سخت خطرہ ہے۔ یہ حنفیوں کو گالیاں نکال رہے ہیں اور اگر انہیں روکا نہ گیا تو آپس میں فساد ہو جائے گا اور کشت وخون تک نوبت پہنچ جائے گی۔ مولوی صاحب تو گھبرا گئے مگر یہ صاحب باوجود ناخواندہ ہونے کے ذہین تھے، کہنے لگے مولوی صاحب آپ جائیں، ان لوگوں کو میں سنبھال لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کا اعلان کیا اور کچھ دوستوں کو مقرر کردیا کہ تھانہ کا خیال رکھنا۔ اگر لوگ شکایت کریں اور پولیس آئے تو مجھے اطلاع کردینا پھر میں دیکھوں گا وہ کس طرح میرے خلاف کوئی بات کرتی ہے۔ انہوں نے پہلے یہ پتہ لگا لیا تھا کہ تھانیدار سکھ ہے۔ چنانچہ وہ حنفیوں کے خلاف زبردست تقریر کرتے رہے۔ اسی دَوران میں ایک آدمی دَوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا تھانیدار صاحب آرہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کوئی پرواہ نہیں۔ وہ تقریر اسی موضوع پر کررہے تھے کہ اہلحدیث میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ مگر چونکہ لوگوں میں مخالفت کا سخت جوش تھا اسی لئے تھانے میں انہوں نے رپورٹ یہ درج کرادی کہ انہیں روکا جائے ورنہ خون ہو جائے گا کیونکہ یہ ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ جیسے آجکل ہمارے خلاف لوگ حکوت کو مشتعل کرنے کیلئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں، انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں اور بزرگوں کی توہین کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی پولیس کے پاس اسی رنگ میں رپورٹ کی اور تھانیدار صاحب پولیس کی گارد لے کر پہنچ گئے۔ جس وقت انہیں پتہ لگا کہ تھانیدار صاحب لیکچر گاہ میں

داخل ہوگئے ہیں تو اپنی تقریر کا رخ بدل کر کہنے لگے مسلمانو! تم میں کتنی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ تم کہلاتے تو مسلمان ہو مگر کام وہ کرتے ہو جو ہندو اور سکھ بھی نہیں کرتے۔ دیکھو سکھ مسلمان نہیں مگر ان میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ وہ ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ تم لوگ سکھوں کو برا کہتے ہو، ان کے ہزار عیب نکالتے ہو مگر اتنا نہیں سوچتے کہ تمہاری ڈاڑھیاں تو منڈی ہوئی ہیں اور سکھوں نے اپنے منہ پر ڈاڑھیاں رکھی ہوئی ہیں۔ پھر خود ہی سوچو کہ سکھ اچھے ہوئے یا تم۔ ہر شخص کہے گا کہ تم مسلمانوں سے سکھ ہزار درجے اچھے ہیں۔ پھر دیکھو تم حقہ پیتے ہو اور اٹھتے بیٹھتے حقہ کی نڑی تمہارے منہ میں ہوتی ہے۔ جب کسی سے بات کرتے ہو تو تمہارے منہ سے حقہ کی بدبو آتی ہے۔ مگر سکھوں کو دیکھو وہ حقہ کے قریب بھی نہیں جاتے اور ایک سکھ بھی ایسا نہیں ہے جو حقہ پیتا ہو۔ مگر تم ڈاڑھیاں منڈواتے ہو، تم حقہ پیتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ ہم اچھے ہیں۔ تم سے تو سکھ ہزار درجے اچھے ہیں۔ تھانیدار یہ سن کر کہنے لگا ہیں! مولوی صاحب تو بڑی اچھی تقریر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا سنو اگر مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی شخص بولا تو میں فوراً اسے ہتھکڑی لگا لوں گا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو اس نے ہدایت کی کہ میں تو اب جاتا ہوں مگر دیکھنا مولوی صاحب کے خلاف اگر کوئی ذرا بھی بولے تو اسے ہتھکڑی لگا لینا۔ یہ کہہ کر وہ تھانے کو چل دیا۔ ادھر وہ جلسہ گاہ سے باہر نکلا اور اُدھر مولوی صاحب نے پھر اپنا مضمون شروع کر دیا۔ اس وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلہ میں جو شخص کھڑا تھا وہ ارائیں قوم سے تعلق رکھتا تھا اس زمانہ میں عام طور پر ارائیں قوم میں یہ رواج تھا کہ ان کی عورتیں شہروں میں جا کر ترکاریاں فروخت کرتی تھیں۔ گو اب خدا کے فضل سے اس میں بہت کچھ اصلاح ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں ارائیں قوم سے تمسخر کرنے شروع کر دیئے اور کہا بڑے مولوی بنے پھرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ان کی عورتیں مولیوں اور گاجروں کا ٹوکرا سر پر اٹھائے ہر وقت چکر لگاتی رہتی ہیں اور کہتی ہیں لے لو بھینا ں مُولیاں لے لو بھینا ں گاجراں۔ وہ لوگ پھر دوڑے دوڑے تھانیدار کے پاس گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ مگر تھانیدار کہنے لگا تم سب شرارت کر رہے ہو۔ اگر پھر بھی تم نے مولوی صاحب کے خلاف شکایت کی تو میں تم سب کی خبر لوں گا۔

غرض وہ آدمی بڑے ذہین تھے۔ یوں پڑھے لکھے اور عالم نہیں تھے مگر تقریر بہت اچھی کر سکتے تھے اور ان کا ذہن بہت صاف تھا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٔ ماموریت کیا اور لوگوں نے شور مچا دیا کہ مرزا صاحب کافر ہو گئے ہیں تو وہ کہنے لگے میں مرزا صاحب کو جانتا ہوں وہ قرآن سے باہر نہیں جاتے۔ انہیں کوئی دھوکا لگ گیا ہوگا ورنہ ان کے دل میں قرآن کریم کی جس قدر محبت ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے دیدہ دانستہ خلافِ قرآن باتیں کہہ دی ہوں، ضرور انہیں کوئی دھوکا لگا ہے۔ پھر کہنے لگے میں خود قادیان جاتا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا بات ہے۔ چنانچہ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آ کر کہنے لگے میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہاں میرا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہنے لگے میں تو سمجھتا تھا لوگ جھوٹ کہہ رہے ہیں اور مجھے بڑا یقین تھا کہ آپ قرآن کریم کے خلاف کوئی بات کہنے والے نہیں۔ مگر اب آ کر معلوم ہوا کہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میاں صاحب جب قرآن یہی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں تو میں قرآن کے خلاف کس طرح کوئی بات کہہ سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگے اچھا تو آپ قرآن کو مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں تو قرآن کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شُعشہ کو بھی قابلِ عمل سمجھتا ہوں۔ وہ کہنے لگے میں پہلے ہی کہتا تھا مرزا صاحب قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ ضرور انہیں کسی آیت سے دھوکا لگ گیا ہوگا۔ چنانچہ یہی بات صحیح نکلی۔ پھر کہنے لگے اچھا اگر میں قرآن کریم سے سو ایسی آیتیں نکال کر لے آؤں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا آپ وفاتِ مسیح کا عقیدہ ترک کر دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا سو کا کیا سوال ہے۔ آپ اگر ایک آیت بھی قرآن کریم سے ایسی نکال دیں جس سے حیات مسیح ثابت ہوتی ہو تو میں اپنے عقیدہ کو بالکل ترک کر دوں گا۔ اس پر انہیں شُبہ پیدا ہوا کہ شاید سو آیتیں قرآن کریم میں ایسی نہ ہوں۔ اس لئے وہ کہنے لگے اچھا سو نہ سہی اگر پچاس آیتیں لے آؤں تب بھی کیا آپ اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو کہہ دیا ہے کہ آپ ایک آیت ہی نکال لائیں

میں مان لوں گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ آخر ہوتے ہوتے وہ دس آیتوں پر آ گئے اور کہا کہ میں دس آیتیں تو ضرور لاؤں گا جن سے حضرت عیسیٰ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ مگر آپ پکا وعدہ کریں کہ قرآن کریم کی آیتیں سننے کے بعد آپ اپنے عقیدہ کو ترک کر دیں گے اور لاہور چل کر شاہی مسجد میں لوگوں کے سامنے توبہ کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں پختہ وعدہ کرتا ہوں اگر آپ ایک آیت بھی لے آئے تو جس جگہ آپ کہیں گے وہاں پہنچ کر اس عقیدہ کو ترک کرنے کا اعلان کر دوں گا۔ یہ سن کر وہ خوش خوش لاہور پہنچے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان دنوں لاہور تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل گو اس وقت جموں میں ملازم تھے مگر آپ بھی اتفاقاً کسی ضرورت پر لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چونکہ اپنے علم پر بڑا گھمنڈ تھا اس لئے انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مقابلہ میں اشتہار پر اشتہار دینے شروع کر دیئے کہ میرا مقابلہ کرو اور مجھ سے جب چاہو بحث کر لو۔ حضرت خلیفہ اوّل بھی جواب میں اشتہار شائع فرماتے اور اس طرح آپس میں خوب اشتہار بازی ہو رہی تھی اور ایک اکھاڑہ سا لگا ہوا تھا۔ مگر شرائط کا تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہ کہتے کہ حدیثوں کی رو سے وفات و حیات مسیح پر بحث ہونی چاہئے اور حضرت خلیفہ اوّل یہ فرماتے کہ قرآن کی رو سے بحث ہونی چاہئے۔ آخر جب بہت عرصہ گزر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت خلیفہ اول پر زور دینا شروع کر دیا کہ آپ اس شرط کو کچھ نرم کر دیں تا کہ کسی نہ کسی طرح مباحثہ ہو جائے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا اچھا قرآن کے علاوہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ بخاری بھی پیش کر دی جائے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس پر بڑے خوش تھے اور مجلس میں بیٹھے خوب فخر کر رہے تھے کہ دیکھا میں نے مولوی نورالدین کو کیسا رگڑا۔ آخر وہ قرآن کے علاوہ حدیث کی طرف آ ہی گیا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ یہ صاحب وہاں جا پہنچے اور کہنے لگے آپ نے یہ کیا تماشہ بنایا ہوا ہے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کہنے لگے تماشہ کیا ہے مولوی نورالدین سے میں نے بحث کی اور آخر اسے قابو کر ہی لیا۔ وہ کہنے لگے ان بحثوں کو چھوڑیئے میں تو سید حامرزا صاحب کے پاس گیا تھا اور انہیں اس بات پر تیار کر آیا ہوں کہ وہ یہیں لاہور میں آ کر شاہی مسجد میں سب لوگوں کے سامنے توبہ کریں گے۔

آپ جلدی سے مجھے قرآن کی دس آیتیں ایسی لکھ دیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ بس میں جاتے ہی وہ آیتیں ان کے سامنے پیش کروں گا اور انہیں یہیں لاہور میں لے آؤں گا اور شاہی مسجد میں سب کے سامنے توبہ کراؤں گا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جو اس وقت اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ میں آخر بڑی جدوجہد کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کو حدیثوں کی طرف لے آیا۔ انہوں نے جب یہ بات سنی تو چونکہ مغلوب الغضب آدمی تھے اس لئے غصہ سے لال سرخ ہو گئے اور کہنے لگے تو بڑا جاہل ہے تجھے کس نے کہا تھا کہ تو خود بخود شرائط طے کرتا پھرے۔ میں دو مہینے بحث کر کر کے مولوی نورالدین کو حدیثوں کی طرف لایا تھا تو پھر قرآن کی شرط مان آیا ہے۔ غصے کی حالت میں ان کے منہ سے جونہی یہ فقرہ نکلا ان صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا اور چونکہ آدمی تھے نیک اس لئے مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے مولوی صاحب میں اب بات سمجھ گیا۔ میں تو قرآن کی طرف ہوں جدھر قرآن ہے ادھر ہی میں ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے اور قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔

تو حقیقت یہ ہے کہ مؤمن ادھر ہی جاتا ہے جدھر قرآن اسے لے جاتا ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت میں پچانوے فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ایسے مؤمن خدا تعالیٰ کے فضل سے موجود ہیں جن پر اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ قرآن کریم کا وہی حکم ہے جو ہم بتا رہے ہیں تو وہ اس اَن پڑھ مؤمن کی طرح یہی کہیں گے کہ جدھر قرآن ہے ادھر ہی ہم ہیں۔ غلطی ہماری اور ہمارے علماء کی ہے کہ وہ پوری طرح لوگوں کو ان مسائل اور تعلیمات سے آگاہ نہیں کرتے۔ تو جس قدر انجمنیں اور سکول ہیں اگر وہ اپنے فرائض میں یہ امر داخل کر لیں کہ انہوں نے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کرنا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ شوق سے ان باتوں پر عمل نہ کریں۔ اگر سکول میں لڑکے اور لڑکیوں کو یہی باتیں بتائی جائیں اور بار بار بتائی جائیں تو گو پھر بھی ان میں بعض غلطیاں رہ سکتی ہیں مگر جو آئندہ نسل پیدا ہوگی وہ بہت زیادہ اصلاح یافتہ ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ایک دنیوی سکول ہے مگر یہ دنیوی سکول قادیان میں قائم کرنے کی غرض یہ ہے کہ لڑکوں میں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسی روح پیدا کی جائے

جس کے نتیجہ میں وہ سلسلہ اور اسلام کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہوسکیں۔

پس مدرسہ تعلیم الاسلام کے ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے مدرسوں کے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ صاحبان کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کی ان تعلیموں کو متواتر اور کثرت کے ساتھ لڑکوں کے سامنے پیش کریں اور انہیں ان حکمتوں اور فوائد سے آگاہ کریں جو ان تعلیموں میں کام کر رہے ہیں اور ایسے جلسے سکولوں میں کرتے رہیں جن میں انہی مضامین پر لڑکوں سے تقریریں کرائی جائیں۔ بیشک وہ لڑکوں کو دنیوی تعلیم بھی دیں اور ضروری ہے کہ دنیوی تعلیم دیں کیونکہ یہ امر بھی اَور طالبعلموں کو کھینچنے اور مرکز سلسلہ میں لانے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ جب سے سکول کے اساتذہ نے اس طرف توجہ کی ہے ان کے نتائج پہلے سے بہت زیادہ شاندار نکلنے شروع ہوگئے ہیں۔ حالانکہ یہی مدرس اور اساتذہ پہلے بھی تھے مگر چونکہ اب انہوں نے توجہ اور محنت سے کام کرنا شروع کر دیا ہے اس لئے انہیں کامیابی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر وہ دینی معاملات کی طرف توجہ کریں تو یقیناً ہمارے طالب علم جب تعلیم سے فارغ ہو کر نکلیں گے تو اسلام کے جھنڈے کے حامل ہوں گے۔ پس یہ دو محکمے تو ایسے ہیں کہ اگر ان میں دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے تو صدیوں تک ثواب میسر آ سکتا ہے۔ آخر انٹرنس کے امتحان میں اگر لڑکے اچھے نکلیں گے تو اس کا ثواب مدرسوں کو اسی سال حاصل ہوگا اور اس کی نیک نامی بھی انہیں اسی سال حاصل ہوگی لیکن اگر وہ اچھے احمدی اپنے سکول سے نکالیں تو اس کا ثواب ان کی وفات کے ہزاروں سال بعد بھی انہیں ملتا رہے گا۔

پس خدا تعالیٰ نے ان کیلئے یہ ایک ایسا راستہ کھولا ہوا ہے جس پر چل کر وہ قیامت تک خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دعائیں حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جماعت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہو سکے گا۔ فتنہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب فتنہ پرداز یہ سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ ہماری باتوں سے متاثر ہو جائیں گے لیکن اگر یہ دونوں مدرسے لڑکوں اور لڑکیوں میں اسلامی روح پیدا کر دیں، نظام سلسلہ کا احترام ان کے دلوں میں پیدا کر دیں، اسلام کے احکام کی عظمت ان کے دلوں میں پیدا کر دیں اور انہیں ایک ایسی مضبوط چٹان کی طرح بنا دیں کہ کوئی فتنہ ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکے اور وہ سلسلہ اور اسلام کے کامل عاشق ہوں تو جس قدر

فتنہ پرداز ہیں وہ یقیناً مایوس ہو جائیں گے اور اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ [۴]
والی حالت نظر آنے لگ جائے گی۔ اس صورت میں وہ مدرس مدرس نہیں ہوگا جو اس رنگ میں
اسلام کی تعلیم دے گا بلکہ دین کا ستون ہوگا اور آئندہ جب لوگ یہ دعا کریں گے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تو اٰلِ مُحَمَّد میں خدا تعالیٰ کے فرشتے اس مدرّس کا نام
بھی لکھ لیں گے اور کہیں گے یہ وہ شخص ہے جس کی بدولت آج تک دنیا میں تعلیمِ اسلام قائم ہے۔

پس مدرّس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ درحقیقت وہ ایک خاموش نائب ہے نبی کا۔ وہ دنیا
کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے مگر خدا تعالیٰ کی نظر اس پر ہر وقت پڑ رہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس
کے ذریعہ دین کی ترقی ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہر جماعت اور بڑی جماعتوں میں ہر محلّہ کے
پریذیڈنٹ اگر کوشش کریں تو وہ اپنے اپنے دائرہ میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ انجمن خدام الاحمدیہ
کے ارکان کو بھی چاہئے خواہ وہ مرکزی انجمن سے تعلق رکھتے ہیں یا بیرونی انجمنوں سے کہ وہ اس
سلسلہ میں عملی قدم اٹھائیں اور اپنے ممبروں کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کرنے کیلئے ایک پروگرام
تیار کریں اور ایسا کورس مقرر کریں جس کو پڑھ لینے کے بعد وہ اسلامی مسائل سے بہت حد تک
آگاہ ہو جائیں۔ پھر ان سے جگہ بجگہ لیکچر دلائیں تا کہ یہ باتیں نہ صرف ان کے ذہن میں پختہ
طور پر جم جائیں بلکہ دوسروں کو بھی ان کے مطالعہ سے فائدہ پہنچے۔ اور اگر وہ اس رنگ میں کام
کریں تو سلسلہ کی بہت بڑی خدمت کر سکتے ہیں کیونکہ یہ کام کسی ایک شخص کا نہیں بلکہ ساری
جماعت کا ہے اور جب تک ساری جماعت مل کر کام نہ کرے انفرادی کوششوں سے یہ کام نہیں
ہوسکتا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے اپنے دائرہ میں مختلف گروہ کام کر رہے ہوں۔ ایک طرف
بچوں کی تربیت ہو رہی ہو، ایک طرف عورتوں کی تربیت ہو رہی ہو، ایک طرف نوجوانوں کی
تربیت ہو رہی ہو اور ایک طرف بڑی عمر کے لوگوں کی تربیت ہو رہی ہو۔ مثلاً اب خطبہ میں مَیں
نے اس امر کی طرف توجہ دلا دی ہے مگر خالی میرا خطبہ پڑھ دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ خطبہ
شائع ہونے کے بعد مختلف انجمنیں اس خطبہ کی روح کو لے کر کھڑی ہو جائیں اور لوگوں کو اس
کے مطابق تیار کرنا شروع کر دیں، پھر ان سے جو چھوٹی انجمنیں ہیں وہ کام شروع کر دیں، پھر
مدرسوں کے اساتذہ زور دینا شروع کر دیں۔ پھر گھروں میں ماں باپ سمجھانا شروع کر دیں،

غرض جس جس دائرہ میں کوئی شخص کام کرتا ہے اسی دائرہ میں وہ لوگوں کو سمجھانا اپنا فرض قرار دے لے۔ جب اس رنگ میں ہماری جماعت کے تمام افراد کام کریں گے تب وہ دن آئے گا جب اسلامی تعلیم عملی رنگ میں دنیا میں قائم ہو جائے گی۔ عربوں کو اس سلسلہ میں بہت آسانی تھی ان کی زبان بھی عربی تھی اور قرآن کریم بھی عربی زبان میں نازل ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد اسلامی تعلیم سے آگاہ ہو گئے۔ مگر ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ ہماری جماعت کا ایک کثیر حصہ عربی زبان سے ناواقف ہے اس وجہ سے چند لوگ جو عربی جانتے ہیں وہ تو (بشرطیکہ ان میں تقویٰ ہو) اسلامی مسائل کی اہمیت کو سمجھ جاتے ہیں مگر باقی نہیں سمجھتے۔ پس یہ عربی جاننے والوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو ان مسائل سے آگاہ کریں بلکہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہماری جماعت میں سے ہر شخص کو قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہو۔ اس کیلئے اگر مجلس خدام الاحمد یہ ہر جگہ نائٹ سکول کھول دے اور ان لوگوں کو جنہیں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا ترجمہ پڑھانا شروع کر دے۔ تو یہی ایک ایسی خدمت ہوگی جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بنا دے گی۔ اگر قادیان کا بچہ بچہ قرآن کریم کا ترجمہ جانتا ہو تو یقیناً دنیا کا کوئی شہر اس خوبی میں قادیان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ حتیٰ کہ عرب کے شہر بھی اس خوبی میں قادیان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ عرب بھی سارے کے سارے قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے۔ پس اگر مجلس خدام الاحمد یہ صرف اتنا کام کرے کہ وہ ان لوگوں کو جنہیں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا، نائٹ سکول قائم کر کے (تا جو لوگ دن بھر اور کاموں میں مشغول رہتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکیں) ترجمہ پڑھا دے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے لئے بہت بڑی برکت کا ذخیرہ جمع کر سکتی ہے۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ تمہارے سامنے جو کام ہے وہ کوئی معمولی کام نہیں دنیا کی تمام طاقتوں کو مٹا کر اسلامی تعلیم کا ازسرِ نو احیاء تمہارا فرض ہے اور تمہارے کمزور کندھوں پر ایک عظیم الشان بوجھ لادا گیا ہے۔ اس کیلئے جب تک تمام افراد مل کر کوشش نہیں کریں گے اور احکامِ اسلامی کے اجراء میں ہمارے ساتھ تعاون نہیں کریں گے اس وقت تک یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ [۵] کہ تم میں سے ہر شخص بادشاہ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی اپنی رعیت کے متعلق

سوال کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ گھر کا ایک بڑا آدمی بھی اپنی جگہ بادشاہ ہے اور اس سے اپنے بیوی بچوں کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اس نے انہیں کہاں تک اسلامی تعلیم سے آگاہ کیا۔ گویا اسلام نے ہم میں سے ہر شخص کو آواز دی ہے اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ تو گویا دوسرے لفظوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں اور انہیں اپنے اپنے دائرہ میں مختلف قسم کی بادشاہتیں حاصل ہیں۔ میں ان سب کو پکارتا اور آواز دیتا ہوں کہ آؤ اور اسلام کے قیام میں میری مدد کرو کیونکہ قیامت کے دن میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے اسلام اور ایمان پھیلانے کیلئے کیا کِیا۔ ایک ہیڈ ماسٹر اپنے سکول کا بادشاہ ہے اور قیامت کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ سوال کریں گے کہ تم نے اپنی رعایا میں جو طالبعلم تھے اسلام پھیلانے کیلئے کیا جدوجہد کی۔ ایک جماعت کا پریذیڈنٹ اپنی جماعت کا حاکم ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

پس جماعت کے پریذیڈنٹ سے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن پوچھیں گے کہ اے فلاں جماعت کے پریذیڈنٹ تو نے اپنے شہر یا محلّہ میں میری تعلیم جاری کرنے کیلئے کیا کوشش کی۔ اسی طرح ہر خاوند بادشاہ ہے اور اس کی بیوی اور اس کے بچے اس کی رعایا ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں اس سے یہ دریافت کروں گا کہ اے خاندان کے بادشاہ! تُو نے اسلامی تعلیم کے احیاء کیلئے کیا کِیا؟ اسی طرح ایک ماں بھی اپنے بچوں پر بادشاہ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے یہ دریافت کریں گے کے اے ماں تُو بتا کہ میری تعلیم پھیلانے کیلئے تُو نے کیا کوشش کی؟ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو کیونکہ یہ سوال ہے جو تم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا ہے اور تمہیں قیامت کے دن اس کا جواب دینا پڑے گا۔ پس پیشتر اس کے کہ اس سوال کا وقت آئے تم میں سے ہر شخص کو اس کے جواب کیلئے تیار رہنا چاہئے۔''

(الفضل ۱۷؍جون ۱۹۳۸ء)

---

[۱] الانبیآء: ۹۷

۲؎ مؤطا امام مالک کتاب البیوع باب الْحُکْرَة وَالتَّرَبُّصُ

۳؎ بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الْمَلَا ئِکَة (الخ)

۴؎ المائدہ:۴

۵؎ بخاری کتاب النِّکاح باب الْمَرْءَ ةُ رَاعِيَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا